آل انڈیا نیشنل لیگ کے والینٹیئرز کو اہم ہدایات

(فرمودہ ۶ ؍دسمبر ۱۹۳۵ء)

تشہد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

سب سے پہلے تو میں نیشنل لیگ کی جو والینٹیئرز کور ہے اس کے متعلق کچھ باتیں کہنی چاہتا ہوں ۔ درحقیقت یہ کور اُس احمدیہ کور کی ایک نئی شکل ہے جو پانچ سات سال ہوئے میری تحریک پر جماعت میں قائم کی گئی تھی ۔ میں نے اُس وقت بیان کیا تھا کہ احمدیہ کور کی بڑی غرض خدمتِ خلق اور اصلاحِ اخلاق ہوگی ۔ میں نے جہاں تک اپنے ملک کے اخلاق پر غور کیا ہے خصوصاً مسلمانوں کے اخلاق پر، مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے اندر استقلال کا مادہ بالکل نہیں ۔ کوئی کام بھی وہ سنجیدگی کے ساتھ نہیں کر سکتے ۔ اور وہ استقلال اور ایثار جو کامیابی کے لئے ضروری ہے مسلمانوں کے کاموں میں نہیں ملتا ۔ اس کی بنیاد زیادہ تر نوجوانی میں پڑتی ہے ماں باپ اپنے بچوں سے ایسی غلط طور پر محبت کرتے ہیں یا مجھے کہنا چاہئے کہ وہ ان سے ایسی دشمنی کرتے ہیں کہ کبھی بھی بچوں کی اصلاح کو ان کے عارضی آرام سے مقدّم نہیں سمجھتے ۔ ہندوستانیوں سے یا مجھے یہ کہنا چاہئے کہ جن جن مسلمانوں سے مجھے ملنے اور ان کے حالات کو دیکھنے کا موقع ملا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ سوائے شاذ و نادر کے سَو فیصدی ایسے ماں باپ ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کے دشمن ہوتے ہیں ۔ یعنی وہ ان کی آئندہ ترقی کو مدنظر نہیں رکھتے بلکہ ان کا عارضی اور وقتی آرام مقدّم سمجھتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان باوجود اس طبعی ذہانت کے جو اسلام کی وجہ سے انہیں حاصل ہے ہر میدان میں دوسری قوموں سے پیچھے ہیں ۔ گورنمنٹ سے

مسلمان شاکی ہیں کہ وہ انہیں ملازمت بہت کم دیتی ہے اور میں مانتا ہوں کہ گورنمنٹ کے بعض افسر ہندوؤں کے اثر کے نیچے ہوتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے حقوق کو ملازمتوں کے سلسلہ میں پامال کردیتے ہیں۔ ہندوؤں سے مسلمان شاکی ہیں کہ وہ ان کی تجارت کو بڑھنے نہیں دیتے اور میں خود بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہندوؤں کی طرف سے ایسی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں جو مسلمانوں کی تجارتی ترقی میں روک ثابت ہوتی ہیں اور ہندو پسند نہیں کرتے کہ مسلمان تجارت میں حصہ لیں۔ یہ امر بھی بالکل درست ہے کہ زمیندار ہندو ساہوکاروں کے قبضہ میں ہیں۔ گو ساہوکار صرف ہندو ہی نہیں مسلمان اور پارسی بھی ہیں۔ اور ہندو ساہوکاروں کے ظلم ہندو قوم کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے لیکن بہرحال عام طور پر ہندو ہی ساہوکار ہوتے ہیں۔ کچھ مسلمان ساہوکار بھی ہیں اور کچھ پارسی بھی لیکن کثرت ہندو ساہوکاروں کی ہے۔ اور نہ صرف مسلمان بلکہ دوسرے زمیندار بھی شاکی ہیں کہ انہوں نے زمینداروں کا خون چوس لیا ہے۔ مگر میں اِس امر کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ یہی تین باتیں مسلمانوں کی کمزوری کا باعث ہیں۔ بلکہ باوجود ان تینوں باتوں کے مسلمان ترقی کر سکتے تھے۔ اگر استقلال اور قربانی کا مادہ ان میں ہوتا بلکہ اگر صرف یہی بات ان میں ہوتی کہ استقلال سے وہ کام کرنے کے عادی ہوتے، تب بھی وہ کامیاب ہو سکتے تھے کیونکہ قربانی کا مادہ ابھی ان میں پایا جاتا ہے گو عارضی ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ شہید گنج کے موقع پر جس رنگ میں مسلمانوں نے مظاہرہ کیا اور جس طریق پر انہوں نے سخت اشتعال کی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھا وہ واقعات سن کر معلوم ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑی لہر جذبات کی مسلمانوں میں موجود ہے۔ لیکن نقص یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ اُٹھتی اور پھر بیٹھ جاتی ہے۔ اگر مسلمانوں میں استقلال ہوتا اور جس ارادہ کو لے کر وہ ایک دفعہ کھڑے ہوتے اُس پر قائم رہتے تو باوجود اس کے کہ بعض انگریز ملازمتیں دینے کے سلسلہ میں ہندوؤں کے زیرِ اثر ہیں، اور باوجود اِس کے کہ ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کی تجارت میں روکیں ڈالی جاتی ہیں، اور باوجود اِس کے کہ مسلمان زمینداروں کی گردنیں ہندو ساہوکاروں کے ہاتھ میں ہیں پھر بھی وہ ان تمام روکوں کو توڑ کر نکل جاتے۔ اور ترقیات میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہتے۔ ہماری جماعت میں چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک نظام پایا جاتا ہے اور اس کے ماتحت جماعت کے افراد بعض حالات میں تسلسل سے کام کرتے رہتے ہیں، اِس کے نیک نتائج کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ

رہے ہیں۔ مثلاً قادیان کی تجارت کا وہ رنگ جو آج سے بیس سال پہلے تھا، آج نہیں۔ آج سے بیس سال پہلے صرف دو تین احمدی تاجر تھے اور وہ بھی ہمیشہ شکوہ کرتے رہتے تھے کہ ان کا کام نہیں چلتا اور یہ کہ وہ مقروض رہتے ہیں۔ اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ہمارا ایک موروثی مرگیا۔ قانوناً اس کی زمین ہمیں ملتی تھی ہم نے اُس پر قبضہ کرنا چاہا مگر بعض لوگ جو متوفی کے رشتہ دار نہ تھے جبراً اُس کی زمین پر قبضہ کرنے پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے ہمارے آدمیوں کا مقابلہ کیا اور ان پر حملہ آور ہوئے اور پھر انہوں نے اسے ہندو مسلم سوال بنا دیا۔ اور یوں شکل دے دی کہ گویا احمدی ہندوؤں اور سکھوں پر ظلم کرتے ہیں حالانکہ مرنے والا ہمارا موروثی تھا اور لَا ولد تھا۔ اور اس کی زمین ہمیں ہی ملتی تھی چنانچہ جب عدالت میں یہ معاملہ گیا تو ہمارا حق تسلیم کیا گیا اور اب تک ہم اس پر قابض ہیں لیکن اس زمین کے جھگڑے کو قومی سوال بنا دیا گیا۔ اسی سلسلہ میں ایک مصنوعی فساد کھڑا کرکے یہ مشہور کر دیا گیا کہ نیّر صاحب مارے گئے ہیں۔ میں اِس قصہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کئی دفعہ مَیں اس واقعہ کو بیان کر چکا ہوں۔ بہرحال اُس وقت ایسے سامان پیدا کر دیئے گئے تھے کہ اگر مجھے وقت پر معلوم نہ ہو جاتا تو اُس دن بیسیوں خون ہو جاتے۔ مگر میں اُس وقت اتفاقاً گلی کے اوپر کے کمرہ میں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ اور جب میں نے لوگوں کے دَوڑنے کا شور سنا تو انہیں روک دیا۔ اُنہی ایام میں ہمارے طالب علم ایک دفعہ بڑے بازار سے گزر رہے تھے تو ایک ہندو مٹھائی کے تاجر نے اپنی چھابڑیاں زمین پر پھینک دیں اور یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ احمدیوں نے اُس کی دُکان لوٹ لی ہے۔ یہ حالات ایسے تھے کہ میں نے سمجھ لیا خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں بیداری پیدا کرنا چاہتا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ اس طرح بِلا قصور اور خطا جماعت کو بدنام کیا جاتا اور فساد میں مبتلاء کرنے کی کوشش کی جاتی۔ اِس خیال پر میں نے اِسی مسجد میں تمام دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ دیکھو! اگر تم فسادات سے بچنا چاہتے ہو تو اِس کا طریق یہ ہے کہ آئندہ ان لوگوں سے تعلق نہ رکھو کہ جو اِس طرح تم کو بدنام کرتے ہیں۔ آج اگر انہوں نے مٹھائی کی چھابڑیاں خود زمین پر گرا کر یہ مشہور کر دیا ہے کہ احمدیوں نے انہیں لیا تو کیا پتہ ہے کہ کل کو کوئی اور تاجر کپڑوں کے تھان گلی میں پھینک کر کہہ دے کہ یہ تھان احمدی لوٹے لئے جا رہے تھے۔ یا اپنی صندوقچی کے متعلق کہہ دے کہ یہ احمدیوں نے توڑ ڈالی۔ پس چونکہ ایسے حالات رونما ہو گئے ہیں جن سے فتنوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے اس لئے جماعت

کی عزت اور اس کی حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ خاص احتیاط سے کام لیا جائے ۔پس یا تو آپ لوگ جماعتی ذمہ واری سے سلسلہ کو آزاد کر دیں اور جو چاہیں کریں ۔اور یا پھر اپنے پر یہ پابندی کر لیں کہ صرف اُنہی لوگوں سے لین دین کیا جائے جو ہم سے تعاون اور صلح رکھنے کے لئے تیار ہوں ۔میں نے کہا میں آپ لوگوں کو کسی خاص طریق پر مجبور نہیں کرتا ہاں چونکہ آپ لوگوں نے خود میرے پاس بیان کیا ہے کہ بعض ہندوؤں نے اپنی چھابڑیاں زمین پر پھینک دیں اور مشہور کر دیا کہ احمدیوں نے انہیں لوٹ لیا حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی ۔اسی طرح آپ لوگ ہی یہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے فتنہ پردازی کے لئے یہ خبر مشہور کر دی کہ نیّر صاحب مارے گئے ہیں اور اس طرح احمدیوں کو اشتعال دِلوا کر لڑوانا چاہا۔ پس اگر آپ لوگ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو مَیں اُس جگہ جانے کی اجازت نہیں دے سکتا جہاں اِس قِسم کے فتنہ کے سامان پیدا کئے جا رہے ہیں ۔آپ لوگوں میں سے کوئی شخص اپنی ذمہ داری پر اُدھر جائے تو مَیں اُسے روکنا نہیں چاہتا لیکن وہ اپنا آپ ذمہ وار ہوگا ۔جماعت اس کے متعلق کسی قِسم کی ذمہ واری لینے کے لئے تیار نہیں ہوگی ۔لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ جماعت بحیثیت جماعت ایسے فتنوں کے وقت میں آپ کی مناسب امداد کرے تو پھر آپ اقرار کریں کہ آپ ان لوگوں سے سَودا نہیں خریدیں گے کہ جو اس قِسم کے فساد کھڑا کرتے ہیں ۔صرف اُن لوگوں سے سَودا خریدیں گے جو آپ کے ساتھ شریفانہ طور پر تعاون کرنا چاہیں گے ۔چنانچہ اُسی وقت ایک رجسٹر کھولا گیا اور میں نے کہا جو لوگ یہ عہد کریں کہ وہ آئندہ اپنا سَودا صرف احمدی دُکانداروں سے یا دوسری اقوام کے ان دُکانداروں سے خریدیں گے جو ہم سے تعاون کا اقرار کریں ،وہ اِس میں اپنا نام لکھ دیں ۔اور جو چاہتے ہیں کہ وہ اپنے افعال کے آپ ذمہ دار بن سکتے ہیں یا سب ہندوؤں سے وہ سَودا خریدنا چاہتے ہیں ۔اور ہندوؤں اور سکھوں میں اُنہیں رسوخ حاصل ہے جس کی وجہ سے اُنہیں کوئی خطرہ نہیں ،وہ اپنا نام الگ لکھا دیں ۔اِس پر صرف سات احمدیوں نے کہا کہ ہم ہندوؤں سے سَودا خریدیں گے ۔لیکن باقی سب نے کہا کہ خطرہ حقیقی ہے اور ہم ان ہندوؤں سے سَودا نہیں خریدیں گے جو ہمارے ساتھ معاہدہ میں شامل نہ ہوں ۔اس معاہدہ کے مطابق صرف ایک ہندو دُکاندار معاہدہ میں شامل ہؤا باقی نے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ دو تین مہینہ میں ہی احمدیوں کی کئی دُکانیں کُھل گئیں اور اُس وقت سے ترقی کرتے کرتے آج یہ حالت ہے کہ قادیان کی تجارت کا اسّی

فیصدی حصہ احمدیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور گو ہماری ظاہری تجارت بھی دوسروں سے نمایاں ہے لیکن بعض اندرونی تجارتیں ہیں۔ جیسے بعض عورتیں تجارت کرتی ہیں، پھر بعض عارضی طور پر تجارت کر لیتے اور بعد ازاں چھوڑ دیتے ہیں ان تمام تجارتوں کو اگر ملا لیا جائے تو اسّی فیصد تجارت احمدیوں کی بنتی ہے حالانکہ اُس وقت ایک فیصدی تجارت بھی احمدیوں کے ہاتھ میں نہ تھی۔ اِس میں شبہ نہیں کہ ابتدا میں اِس کام کے شروع کرتے وقت بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بار بار لوگوں کو ہدایتیں دینی پڑتیں۔ اور پھر ان لوگوں کے لئے جرمانے مقرر تھے جو معاہدہ میں شامل نہ ہونے والوں سے سَودا خریدتے اور اپنے عہد کو توڑ دیتے۔ لیکن نتیجہ یہ ہؤا کہ آہستہ آہستہ جماعت کو اِس بات کی عادت ہو گئی۔ اب بھی بعض لوگ اِس معاہدہ کو کبھی کبھی توڑ دیتے ہیں مگر بہت کم۔ اور جو پابندی کرتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ شروع میں بے شک ہمیں نقصان بھی ہؤا۔ چنانچہ جماعت کے لوگوں کو مہنگا سَودا خریدنا پڑتا۔ بعض دفعہ بٹالہ اور بعض دفعہ امرتسر سے چیزیں منگوانی پڑتیں۔ لیکن آخر نتیجہ یہ ہؤا کہ تجارت کا اکثر حصہ احمدیوں کے ہاتھ میں آ گیا اور قادیان کی ترقی جتنی سُرعت سے اس کے بعد ہوئی اتنی سُرعت سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس معاہدہ کے نتیجہ میں سینکڑوں آدمیوں کو قادیان میں بسنے کا موقع مل گیا۔ کسی کو معماروں کی صورت میں، کسی کو نجاروں کی صورت میں، کسی کو لوہاروں کی صورت میں اور کسی کو دُکانداروں کی صورت میں اور میں سمجھتا ہوں اس تحریک کے نتیجہ میں کم از کم تین ہزار آدمی قادیان میں بڑھے ہیں۔ اور اس سے جو مرکزِ سلسلہ کو تقویت پہنچی اور جماعت کی مالی حالت کی درستی پر اِس کا اثر پڑا وہ مزید برآں ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں اگر ہمارے دوست اب بھی ہمت کریں تو اِردگرد کے دیہات کی تجارت کو بھی اپنے قبضہ میں لا سکتے ہیں۔ پس استقلال سے کام لینے کی ایک مثال قادیان کی موجود ہے اُس وقت بار بار لوگ کہتے تھے کہ ہندوؤں سے قرض مل جاتا ہے احمدی سرمایہ دار نہیں۔ اور احمدی زمیندار کہتے کہ ان کی گردنیں ساہوکاروں کے قبضہ میں ہیں۔ اگر پہلے طریق کو ترک کر دیا گیا تو وہ نوٹس دے کر ہمیں پکڑوا سکتے ہیں۔ یہ سب مشکلات موجود تھیں صرف ملازمت کا سوال نہیں تھا لیکن باقی دو باتیں موجود تھیں یعنی ایسی قوم سے مقابلہ تھا جس کے ہاتھ میں سینکڑوں سال سے تجارت چلی آ رہی ہے۔ پھر مقابلہ تھا اُن ساہوکاروں سے جن کے قبضہ میں زمینداروں کی گردنیں تھیں مگر استقلال اور ہمت سے کام لیتے ہی حالت بدل گئی اور اب یہ حال ہے

کہ گو یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ہم غیروں پر ظلم کرتے ہیں مگر مخالفوں کو بھی ہماری طاقت اتنی زیادہ نظر آتی ہے کہ انہوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ہم دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اگر ہماری طاقت میں نمایاں فرق نہ ہوتا تو وہ یہ الزام ہم پر کس طرح لگا سکتے تھے۔ ان کا یہ الزام لگانا بتاتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں اب احمدیوں کی قادیان میں اتنی طاقت بڑھ چکی ہے کہ اگر ہم ان پر یہ الزام لگائیں کہ یہ غیروں پر ظلم کرتے ہیں تو لوگ اسے ماننے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

غرض مسلمان اگر استقلال سے کام لیں تو اب بھی حقوق حاصل کر سکتے ہیں اور کوئی جھگڑے کی بات نہیں رہتی۔ ہم نے قادیان میں ہندوؤں سے نہ فساد کیا نہ جھگڑا بلکہ انہیں یقین دلایا کہ اگر کوئی ہندو دُکاندار ہمیں تسلی دلا دے کہ وہ ان جھگڑوں میں شامل نہیں ہوگا تو ہم اس سے بھی معاہدہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ بتا چکا ہوں ایک ہندو دُکاندار نے معاہدہ کیا اور ہم اُس وقت سے برابر ان سے سَودا خریدتے چلے آرہے ہیں وہ صرافے کا کام کرتے ہیں۔ اب تو تحریک جدید کے تحت ہم نے زیور بنوانے ترک کر دیئے ہیں لیکن جب تک زیور بنوائے جاتے تھے تو جماعت کے لوگ عموماً انہی سے بنواتے تھے۔ اور چونکہ زیورات کو بیچنا اب بھی منع نہیں اس لئے اگر زیور بیچے جاتے ہیں تو اکثر انہی کے پاس۔ میرے پاس جو چندے میں زیورات آتے ہیں یا تحریک جدید میں حصہ لینے کے لئے بعض عورتیں اپنے زیور بھیج دیتی ہیں یا صدقہ و خیرات کی مد میں بعض دفعہ زیور آجاتا ہے، وہ ہمارا دفتر اکثر انہی کے پاس بھجواتا ہے۔ پس ہم نے بائیکاٹ نہیں کیا اور نہ ہم بائیکاٹ کو جائز سمجھتے ہیں۔ ہم نے صرف فتنہ سے بچنے کے لئے ایک صورت نکالی تھی جو بالآخر کامیاب ہوئی۔ اسی طرح مسلمان بھی کام کر سکتے تھے اور بغیر آپس کے تعلقات کو خراب کرنے کے کام کر سکتے تھے۔ مگر کس چیز نے انہیں کام نہیں کرنے دیا؟ صرف عدمِ استقلال نے۔ ورنہ مسلمان آج بھی وہ قربانیاں کر سکتے ہیں جو یورپ کے لوگ بھی نہیں کر سکتے۔ جس وقت ایک مسلمان کے دل میں غیرت پیدا ہوتی ہے حیرت آتی ہے کہ وہ کس طرح انجام سے لاپرواہ ہو کر کام کر جاتا ہے۔ ابھی ایک سکھ لاہور میں مارا گیا ہے۔ ایک مسلمان الزامِ قتل میں مأخوذ ہے اور عدالت میں اس کا معاملہ پیش ہے۔ جب وہ عدالت میں پیش ہوا تو اُدھر عدالت اپنا کام کر رہی تھی اور اِدھر وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد یہ زبان سے الفاظ کہتا جاتا اللہ بے پرواہ۔ اللہ بے پرواہ۔ گویا وہ یہ سمجھتا ہی نہیں تھا کہ عدالت کیا کر رہی ہے اور وہ کس جُرم میں

مأخوذ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اُس نے یہ فعل کیا ہے تو جو کچھ کیا وہ ایک نہایت ہی ظالمانہ فعل تھا اور کسی صورت میں اُس کا کرنا جائز نہیں تھا۔ مگر ان حالات سے پتہ لگتا ہے کہ مسلمان اب بھی قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ الگ سوال ہے کہ وہ قربانی غلط کرتے ہیں یا صحیح۔ مگر ان میں قربانی کا مادہ موجود ہے اور ضرورت ہے کہ اِس مادہ سے فائدہ اُٹھا کر انہیں صحیح قربانیوں پر آمادہ کیا جائے۔ اسی طرح مسلمان بِالعموم نمازیں نہیں پڑھتے لیکن اگر کوئی نماز پڑھنے پر آ جائے تو وہ ہر وقت نماز پڑھنے میں ہی لگا دیتا ہے۔ وظیفہ کرنے پر آ جائے تو ہر وقت مصلّٰی پر بیٹھے وظیفہ ہی کرتا رہے گا اور یہ نہیں سوچے گا کہ کسی اور کام کے کرنے کا بھی خدا نے حکم دیا ہے۔ پھر اگر کبھی نماز اور وظیفہ چھوڑ دے گا تو ایسا چھوڑے گا کہ اگر اس سے کبھی کہا جائے کہ نماز پڑھا کرو تو وہ اِس پر تمسخر اُڑانا شروع کر دے گا۔ یہ جذباتی رنگ ہے استقلال والا نہیں۔ غرض ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد اور یہ سوچنے کے بعد کہ آخر ہماری جماعت کے افراد بھی دوسری مسلمان قوموں سے نکل کر آئے ہیں اور ان کی خراب عادتیں ان میں بھی پائی جاتی ہوں گی، میں نے ضروری سمجھا کہ اس قِسم کی تحریک کی جائے۔

درحقیقت انسانی اعمال کے دو حصے ہوتے ہیں ایک ارادی اور ایک عادی۔ ارادی اعمال ایمان سے بدل جاتے ہیں لیکن عادی اعمال اُس وقت بدل سکتے ہیں جب اپنی عادت کو تبدیل کیا جائے۔ مثل مشہور ہے کہ کوئی ہندو نیا نیا مسلمان ہؤا تھا۔ جب بھی وہ کسی مجلس میں بیٹھتا اور کسی قابلِ تعریف یا قابلِ نفرین بات کا ذکر ہوتا تو اور مسلمان تو سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ یا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہتے اور یہ رام رام کہنے لگ جاتا۔ لوگ اُس پر ناراض ہوتے کہ یہ کیا حرکت ہے؟ جب اور لوگ سُبْحَانَ اللّٰہِ یا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہتے ہیں تم بھی سُبْحَانَ اللّٰہِ یا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کہو رام رام کیوں کہتے ہو۔ آخر جب لوگوں نے اسے بار بار کہا تو ایک دن وہ تنگ آ کر بولا کہ اللہ اللہ دل میں داخل ہوتے ہی داخل ہوگا اور رام رام نکلتے ہی نکلے گا۔

اسی طرح لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی مسلمان سخت بھوکا تھا۔ ایک جگہ سے وہ گزرا تو اُس نے دیکھا کہ لوگ برہمنوں کو کھانا کھلا رہے ہیں وہ بھی ان میں کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ مگر جب کھانا شروع کرنے لگا تو بے اختیار اُس کے منہ سے نکل گیا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اِس پر انہوں نے مار مار کر اُسے نکال دیا۔ تو انسان کے جو عادی اعمال ہوتے ہیں وہ زور کے ساتھ نکلتے ہیں آسانی کے ساتھ نہیں نکل

سکتے۔ اِسی وجہ سے شروع میں مؤلفۃ القلوب سے خاص سلوک کرنے کا اسلام میں حکم ہے۔ اور قرآنِ مجید میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ [1] تم ربّانی بن جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ربّانی کے کیا معنے ہیں؟ آپ نے فرمایا عَلِّمُوْا صِغَارَ الْعِلْمِ قَبْلَ کِبَارِھَا ۔یعنی ربّانی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ علوم میں سے جو چھوٹے ہیں وہ پہلے سکھاؤ اور بڑے بعد میں ۔تو ہمیشہ تدریج کے ساتھ ترقی ہوتی ہے۔مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ تربیت ہو۔ اگر تربیت نہ ہو تو وہی عادتیں جن کا چھڑانا ضروری ہے، انسانی طبیعت میں راسخ ہو جائیں گی اور کبھی پیچھا نہیں چھوڑیں گی ۔۔ان امور پر غور کرنے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ جماعت کے تمام افراد خصوصاً نوجوانوں میں استقلال اور ہمت اور قربانی کی روح پیدا کرنے کے لئے ''احمدیہ کور'' قائم کی جائے۔ دنیا میں کوریں جو قائم کی جاتی ہیں وہ ضروری نہیں کہ فوجیں ہوں ۔ بلکہ ان میں سے بعض کے قائم کرنے سے صرف یہ غرض ہوتی ہے کہ جو باقاعدگی اور پابندیٔ اوقات کی عادت فوجیوں میں ہوتی ہے وہی عادت قوم کے نوجوانوں میں بھی پیدا کی جائے ۔بعض افسر اس پر خواہ مخواہ چڑتے ہیں حالانکہ اگر اس رنگ میں اخلاق کی درستی ہو جائے تو اِس میں خود حکومت کا فائدہ ہے۔ کیونکہ جب نوجوانوں کے اخلاق درست ہوں گے تو ملک کے فسادات دور ہو جائیں گے اور حکومت کی پریشانیاں کم ہو جائیں گی ۔پس یہ چھوٹے دماغ والے افسر ہوتے ہیں جو ان باتوں پر چڑتے ہیں ورنہ ولایت میں بوائے سکاؤٹ کی تحریک ایسی مقبول ہے کہ قریباً ہر حکومت اس کی تائید کر رہی ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں فوج کی نقل کرنے سے کوئی فوج نہیں بن جاتی بلکہ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ کوروں کے قائم کرنے سے حکومت کا مقابلہ مقصود ہے تو بھی جبکہ حکومت کے پاس بندوقیں، رائفلیں، توپیں اور خطرناک گیسیں موجود ہیں چند لاٹھیوں سے پریکٹس کرنے والوں سے اُسے کیا خطرہ ہوسکتا ہے۔ پس اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ جو کور بنائے اُس کا مقصد حکومت کا مقابلہ کرنا ہو۔لیکن اگر اِسے درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو جبکہ حکومت کے پاس ہوائی جہاز، بم اور زہریلی گیسیں ہیں ۔اُسے ان معمولی باتوں سے کیا خوف ہوسکتا ہے۔ وہ ایک گیس سے سارے علاقے کو بیہوش کر سکتی ہے۔ ایک بم پھینک کر گاؤں کا گاؤں برباد کر سکتی ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں بموں کی بجائے اگر ہوائی جہازوں سے لوگوں پر پتھر گرانے بھی شروع کر دیئے جائیں یا مٹی کے ڈلے لوگوں پر گرائے جائیں تو اتنی سی بات پر

لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ لیکن اگر کور بنانے کا یہ مقصد نہ ہو بلکہ حکومت کی اطاعت اس کور کے فرائض میں داخل ہو تو پھر ایسی کور کے قائم ہونے میں گورنمنٹ کا اپنا فائدہ ہے اسے اس پر اعتراض ہی کیا ہوسکتا ہے۔ غرض والینٹیئر کوروں کا بنانا بشرطیکہ ان کے قواعد درست ہوں فوج بنانا نہیں بلکہ اس کا مقصد نوجوانوں کو کام کی عادت ڈالنا اور ان میں قربانی کی روح پیدا کرنا ہے۔ ہمارے ملک کے لوگوں کا اکثر حصہ ایسا ہے کہ جب کسی کے سپرد کوئی کام کیا جائے وہ ناغہ کرنے لگ جاتا ہے اور عذر پیش کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ فوجی نظام میں کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ وہاں ایک ہی صورت کام دے سکتی ہے کہ یا تو چھٹی لی جائے اور یا کام کر کے دکھایا جائے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں جسے وہ اپنی بریت میں پیش کر سکے۔ اس نقص کے ازالہ کے لئے میں نے سمجھا کہ جب تک کور کی صورت میں جماعت کے لوگوں کو اکٹھا نہ کیا جائے اور انہیں باقاعدہ کام کرنے کی عادت نہ ڈالی جائے گی یہ نقص رفع نہیں ہوگا۔ اسی غرض کے ماتحت میں نے ''احمدیہ کور'' کو قائم کیا۔ مگر چونکہ اس کے افسروں میں بے استقلالی کا وہ پرانا مادہ موجود تھا جو آج مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اور جس نے انہیں زندگی کے ہر شعبہ میں ناکام بنا رکھا ہے، اِس لئے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کور یوں غائب ہوگئی کہ گویا وہ کبھی بنائی ہی نہیں گئی تھی۔ اور معلوم ہوُا کہ وہ احمدیہ کور نہیں تھی بلکہ ناخن کی کور تھی جسے قینچی سے کاٹ کر پھینک دیا گیا اور کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں کیا جاتا۔ اب نیشنل لیگ نے میری ہدایات کے ماتحت اِس ''احمدیہ کور'' کا احیاء کیا ہے۔ اور میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس کی بڑی غرض لوگوں میں استقلال پیدا کرنا ہے۔ اگر اس میں بھی بے استقلالی دکھائی گئی تو اس کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں کور کے افسروں کو مشورہ دیتا ہوں کہ جو لوگ کور میں داخل ہوں وہ اگر حاضری کے دنوں میں سے ایک دن بھی غیر حاضر ہوں تو انہیں سزا دی جائے۔ اور اگر رُخصت لینا چاہیں تو ان کا فرض ہے کہ درخواست بھیج کر رُخصت لیں۔ اور اگر کوئی اِس طریق پر کاربند ہونے کے لئے تیار نہیں تو وہ بے شک کور سے علیحدہ ہو جائے۔ اگر کور والے اس طریق پر جو میں نے بتایا ہے کام نہیں کریں گے، اور اگر ماں باپ اپنے بچوں کو مجبور نہیں کریں گے کہ جاؤ اور کور میں کام کرو اُس وقت تک یہ کور ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ پس ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اس کور میں داخل کریں تا انہیں قربانی کرنے اور استقلال سے کام کرنے کی عادت پڑے۔ ایک چھوٹی سی بات

دیکھ لو اِسی سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایک نظام کا پابند ہو جانے سے انسانی زندگی میں کس قدر انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔تم کسی فرد، محکمہ یا حکومت کے دفتر میں پانچ روپیہ پر ملازم ہوتے ہو، یا دس روپیہ پر ملازم ہوتے ہو، یا بیس روپیہ پر ملازم ہوتے ہو، یا پچاس روپیہ پر ملازم ہوتے ہو، یا سَو دوسَو اور چارسَو روپیہ پر ملازم ہوتے ہو، یا ہزار دو ہزار روپیہ پر ملازم ہوتے ہو۔غرض خواہ تم چھوٹی سے چھوٹی رقم کے ملازم ہو یا بڑی سے بڑی رقم کے ملازم ہو، کیا تم ایک دن کے لئے بھی غیر حاضر رہ سکتے ہو؟ اور کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تمہارا اگر جی نہ چاہے تو آپ ہی آپ کام کرنا ترک کر دو؟ مگر اس کے لئے تمہیں کیا ملتا ہے پانچ روپے، دس روپے یا بیس پچاس اور سَو روپے۔اس کے مقابلہ میں تم اللہ تعالیٰ کی فوج میں داخل ہوتے ہو اور خدا تعالیٰ تمہارے سپرد یہ کام کرتا ہے کہ تم پانچ وقت کی نمازیں بِالالتزام جماعت کے ساتھ ادا کرو۔تم انصاف سے بتاؤ کہ کیا تم ان نمازوں پر اسی طرح باقاعدگی رکھتے ہو جس طرح پانچ روپیہ ماہوار کا ملازم اپنے کام کو باقاعدہ کرتا ہے؟ شاید سَو میں سے ایک کہہ سکے کہ ہاں میں نمازوں کے متعلق پوری باقاعدگی سے کام لیتا ہوں باقی ننانوے کو ماننا پڑے گا کہ وہ نمازوں پر اتنی بھی باقاعدگی نہیں رکھتے جتنی پانچ روپیہ والا ملازم اپنے کام میں باقاعدگی رکھتا ہے اب بتاؤ جہاں کوئی شخص کھوٹے پیسے جتنا کام نہیں کرتا وہاں اُسے جنت کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ جب خدا تعالیٰ سے ایک معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر خواہ مینہہ آئے، بارش آئے، اولے برسیں، آندھیاں چلیں، ذلّت آئے، موت آئے، انسان گھسٹتا جائے اور مسجد میں پہنچ کر نماز ادا کرے۔ یہاں کی نوکریوں کو جانے دو ممکن ہے قومی کام سمجھ کر بعض لوگ سستی کر جاتے ہوں۔لاہور جا کر دیکھ لو ایک دن بھی اگر کوئی غیر حاضر رہے تو اُس سے سخت باز پُرس کی جاتی ہے۔ ابھی ایک احمدی کا معاملہ زیرِ تفتیش ہے اس نے مجھے دعا کے لئے بھی لکھا ہے وہ چھٹی پر گیا اور بخار ہو گیا جس پر صرف ایک دن لیٹ پہنچا اِس پر اُسے دھمکی دی گئی ہے کہ تمہیں ملازمت سے الگ کر دیا جائے گا۔ وہاں ایک دن کے ناغہ پر یہ حال ہوتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ کوئی پانچ میں سے تین نمازیں باجماعت پڑھ لیتا ہے اور کوئی پانچ میں سے دو اور یہ خیال ہی نہیں آتا کہ میں کوئی بُری بات کر رہا ہوں۔ظلم یہ ہے کہ دل اتنے مُردہ ہو گئے ہیں کہ کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہم کوئی بُری حرکت کر رہے ہیں۔اور جب کوئی پوچھے کہ آج عصر میں آپ نہیں آئے تو نہایت بے تکلفی سے کہہ

دیں گے آج ایک ضروری کام پڑ گیا تھا۔تم کسی کے سامنے یہ نہیں کہتے کہ آج تم نے چوری کی ،تم کسی کے سامنے یہ نہیں کہتے کہ آج تم نے زنا کیا،تم کسی کے سامنے یہ نہیں کہتے کہ آج تم نے ڈاکہ ڈالا ،تم کسی کے سامنے یہ نہیں کہتے کہ آج تم نے جھوٹ بولا۔مگرتم نہایت ہی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہو کہ آج مجھے ایک کام تھا اس لئے نماز کے واسطے مسجد میں نہ آ سکا۔یہ کتنی مُردہ حس ہے کہ نہ صرف جُرم کیا جاتا ہے بلکہ اتنا بڑا جُرم کرنے کے بعد جس پر قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے جب پوچھا جاتا ہے تو بے تکلفی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ آج مجھے ایک کام پڑ گیا تھا۔ذرا سوچو تو کہ کیا دُنیوی نوکریوں کے متعلق بھی اس قِسم کے عذرات کئے جا سکتے ہیں؟ اور کیا جن عذرات پر تم نماز ترک کر دیتے ہوا ُنہی عذرات پر اگر ملازمت کے سلسلہ میں ناغہ کرو تو تم ملازم رہ سکتے ہو؟ میں نے اِسی وجہ سے مساجد کی الگ الگ کمیٹیاں بنائی تھیں تا وہ لوگوں کے متعلق یہ نگہداشت رکھیں کہ آیا وہ نمازوں میں شامل ہوتے ہیں یا نہیں۔مگر اب تک انہوں نے کوئی کام نہیں کیا بلکہ ہماری مساجد کے سارے پریذیڈنٹوں کو نیشنل لیگ کے ایک سالارِ جیش نے شکست دے دی۔اور ساتھ ہی اس احمدی لڑکے نے ثابت کر دیا ہے کہ جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسے نوجوان موجود ہیں کہ جب کام کا وقت آئے تو خواہ حالات کچھ ہوں وہ کام پورا کر کے دکھا سکتے ہیں۔

مجھے اس امر کا خیال کر کے کہ ہمارے نوجوانوں میں وہ روح موجود ہے کہ اگر اسے اُبھارا جائے تو اللہ کے فضل سے ان میں ایسے افراد موجود ہیں جو ہر قربانی کر کے کام کو پورا کر دیں گے اِس قدر خوشی ہوتی ہے کہ جیسے کہتے ہیں فلاں شخص کو بادشاہت مل گئی یہ ایک مثال ہے ورنہ بادشاہت اس رُتبہ کے مقابل کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے۔حقیقتاً میرا دل اِس نوجوان کے کام سے اتنا خوش ہے کہ باوجود اِس کے کہ اِس سے غلطیاں ہوئیں اور بیسیوں شکایات میرے پاس پہنچیں پھر بھی میرا دل خوشی سے اِتنا بھرا ہؤا تھا کہ مجھ پر اُن شکایات نے کوئی اثر نہیں کیا۔اگر محلوں کے پریذیڈنٹ بھی یہ سمجھتے کہ جو کام ان کے سپرد کیا گیا ہے اسے انہوں نے بہر حال کرنا ہے تو نماز میں اتنی سُستی کیوں ہوتی۔میں یہ نہیں کہتا کہ والینٹیئروں سے سُستی نہیں ہوئی بعض دفعہ ہوئی مگر نمازوں کی سُستی سے بہت کم اور ذمہ داری کا احساس بہت زیادہ دکھایا گیا۔اور جب کسی پر ذمہ داری کا احساس غالب آ جاتا ہے تو پھر وہ یہ نہیں سوچتا کہ میرے راستے میں کون سی روکیں ہیں اور نہ

وہ عذرات تراشنے لگ جاتا ہے بلکہ کام کر کے دکھا دیتا ہے۔

ہمارے ملک میں یہ ایک عام نقص ہے کہ جب کسی شخص کو کسی جُرم پر پکڑا جاتا ہے تو عذر کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ عذر کوئی چیز نہیں مؤمن کا فرض ہے کہ وہ کام کر کے دکھائے اور اگر کامیاب نہیں ہو سکا تو اُس کی سزا بھگتے۔ میرے ساتھ ایسا ہی ایک دفعہ معاملہ ہؤا۔ میں اپنے متعلق سخت الفاظ سننے کا عادی نہیں اور میں ایک ایسی قوم سے ہوں جو اپنی بے عزتی کو کبھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئی لیکن ایک غلطی کی وجہ سے مجھے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل آخری جلسہ سالانہ پر جس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی، تقریر فرمانے کے لئے مسجد نور جانا چاہتے تھے۔ آپ چونکہ اُن دنوں بیمار تھے اور زیادہ چل نہیں سکتے تھے اس لئے آپ نے خواہش ظاہر کی کہ آپ کے لئے گاڑی کا انتظام کر دیا جائے۔ گاڑی اُس وقت صرف نواب محمد علی خان صاحب جاگیردار کے پاس تھی۔ حضرت خلیفہ اوّل خود اُن سے طلب فرما سکتے تھے مگر آپ عادتاً سوال کرنے سے احتراز کرتے تھے مگر چونکہ نواب صاحب میرے بہنوئی اور رشتہ دار تھے اس لئے آپ نے یہ سمجھ کر کہ میرا اُن سے مانگنا سوال نہیں کہلا سکتا مجھے فرمایا کہ میاں! میں تو نہیں مانگتا تم میرے لئے گاڑی کا انتظام کرا دو میں نے نواب صاحب کو کہلا بھیجا اور اُنہوں نے گاڑی بھیج دی جس وقت آپ اُتر کر مسجد تشریف لے گئے تو گاڑی بان نے دریافت کیا کہ میں یہاں کھڑا رہوں یا چلا جاؤں۔ مولوی محمد علی صاحب پاس کھڑے تھے ان سے مَیں نے دریافت کیا اُنہوں نے اِس خیال کے ماتحت کہ دو گھنٹہ تک تقریر ہوگی یہ کہاں ٹھہرا رہے مجھے کہا کہ آپ اسے کہہ دیں چلا جائے اور دو گھنٹہ کے بعد آ جائے میری یہ شامتِ اعمال تھی یا بے وقوفی مَیں نے اُسے کہہ دیا کہ دو گھنٹہ کے بعد آنا۔ حضرت خلیفہ اوّل تقریر فرمانے لگے تو پندرہ، بیس منٹ کے بعد ہی آپ کی طبیعت خراب ہوگئی اور آپ نے فرمایا اب مجھ سے بولا نہیں جاتا۔ میں واپس چلا جاتا ہوں۔ میں نے آدمی دَوڑایا کہ جلدی گاڑی لاؤ مگر آخر گھوڑوں کے جوتنے اور گاڑی کے تیار کرنے میں دیر لگتی ہے گاڑی وقت پر نہ پہنچی اور حضرت خلیفہ اوّل مسجد سے پیدل ہی روانہ ہو پڑے۔ آپ نے راستہ میں فرمایا، دیکھو میاں! میں نے تمہیں کہا تھا کہ گاڑی کا انتظام کرو مگر افسوس تم نے انتظام نہ کیا۔ میں نے اس پر عذر کرنا چاہا مگر بات شروع ہی کی تھی کہ خلیفہ اول فرمانے لگے۔ ’’من حرامی جتاں ڈھیر‘‘ اور میں خاموش ہو گیا۔ اتنے میں گاڑی بھی آ گئی اور آپ

اس میں بیٹھ گئے۔ یہ لفظ مجھے آج تک یاد ہیں اور بُھولنے میں نہیں آتے مگر اس لئے نہیں کہ وہ مجھے بُرے لگے بلکہ اِس لئے کہ ان میں میرے لئے ایک عظیم الشان سبق پنہاں تھا۔ میں سمجھتا ہوں آپ یہ الفاظ کہنے میں بالکل حق بجانب تھے اور میرا فرض تھا کہ میں آپ سے خود دریافت کرتا یا گاڑی کو ٹھہرا رہنے دیتا۔ میں نے اپنے پہلے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی اور سزا کو خوشی سے برداشت کرنا میرا دوسرا فرض تھا جسے میں نے ادا کر دیا اُس موقع پر اجتہاد کا کوئی سوال نہ تھا لیکن اجتہاد کر کے میں نے ایک ایسی غلطی کی جس کی سزا مجھے بھگتنی پڑی اور بھگتنی چاہئے تھی۔ تو عذر کرنا ایک لعنت ہے جو مسلمانوں کے گلے میں پڑی ہوئی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ [۳] خدا تعالیٰ کے سامنے لاکھ عذر پیش کرو قبول نہ ہونگے۔ پس عذر کوئی چیز نہیں بلکہ اسلام صرف ایک ہی بات کا قائل ہے کہ یا تو جو کام کسی کے سپرد کیا جائے وہ اُسے پورا کرے یا اگر پورا نہ کر سکے تو اُس کی لاش اُس جگہ نظر آئے اِن دونوں کے درمیان کوئی راہ نہیں جسے اختیار کیا جا سکے۔ یہ روح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نماز کے ذریعہ پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ روح ہے جو نوجوانوں میں کور کے ذریعہ پیدا کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور یہی چیز ہے جو تمام محلوں کے پریذیڈنٹوں کو مدنظر رکھنی چاہئے۔ کور نماز نہیں کہ اس میں سے کوئی نکل نہ سکتا ہو بلکہ اس میں داخل ہونا مرضی پر منحصر ہے اور جو شخص داخل نہ ہو یا داخل ہو کر الگ ہونا چاہے تو اِس وقت علیحدہ ہو سکتا ہے لیکن یہ ایک ایسی مفید چیز ہے کہ اِس کے نتائج اتنے اعلیٰ ہیں کہ نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے پر، اپنی قوم پر، اپنے زمانہ پر اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں پر رحم کر کے اِس میں داخل ہوں اور اپنی عادتیں ٹھیک کریں اگر باوجود ان فوائد کے کوئی شخص داخل نہیں ہونا چاہتا تو اسے چھوڑ دیا جائے اور جو داخل ہوں اُن سے ایسی سختی کی جائے جیسے ایک ملازم سے اُس کا افسر سختی کرتا ہے۔ اگر کسی وقت والنٹیئرز میں سے کوئی بیمار ہو تو ان کا فرض ہے کہ وہ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بھیج کر رُخصت حاصل کرے۔ ہاں ڈاکٹروں اور طبیبوں سے مل کر یہ انتظام کیا جانا چاہئے کہ جب کسی کو سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہو تو مفت سرٹیفکیٹ دیا جائے ہر محلّہ میں جو ڈاکٹر یا کمپاؤنڈر اور حکیم ہوں انہیں اِس قسم کے سرٹیفیکیٹ دینے کا اختیار دیا جائے۔ ہماری کونسی دُینوی حکومت ہے کہ اس کے لئے سول سرجن کا سرٹیفکیٹ درکار ہو۔ جو بھی محلّہ میں حکیم یا کمپاؤنڈر یا ڈاکٹر ہو اس سے اس قسم کا سرٹیفکیٹ لو۔ یا اگر کوئی زیادہ بیمار ہے تو اُس کے رشتہ دار اُس کے لئے سر

ٹیفکیٹ حاصل کریں۔ مگر بہر حال سال کے ۳۶۵ دنوں میں سے، میں یہ نہیں کہتا کہ دوسَو دن، میں یہ نہیں کہتا کہ تین سَو دن، میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ۳۴۰ دن بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ پورے ۳۶۵ دن تمہیں حاضر ہونا چاہئے سوائے اِس کے کہ کور کی طرف سے چھٹی کا دن ہو۔ اور اگر ایک بھی دن تم غیر حاضر ہوئے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ سکیم باطل ہوگئی۔ اس کے بغیر وہ اخلاق پیدا نہیں ہو سکتے جن کو میں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ پس کور کے افسروں کا فرض ہے کہ وہ والنٹیئروں سے کہہ دیں کہ جو اپنا قدم پیچھے ہٹانا چاہتے ہیں وہ ہٹالیں اور اگر وہ شامل رہنے کے لئے تیار ہیں تو ماں باپ اور محلے والے سب اِس بات کے ذمہ دار ہیں کہ وہ باقاعدہ کام کریں۔ اور خواہ آندھی آئے یا طوفان، بارش برسے یا اولے ایک دن بھی اِس کام میں بغیر افسروں کی اجازت یا حکم کے ناغہ نہ کیا جائے۔ اِس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اِس نظام کے ماتحت کام کرنے والے اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں باقاعدہ ہوں گے۔ اگر وہ دُکان کریں گے تو باقاعدہ کریں گے، تجارت کریں گے تو باقاعدہ کریں گے، زراعت کریں گے تو باقاعدہ کریں گے۔ غرض وہ ہر کام میں باقاعدہ ہوں گے۔ اور اگر وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگائیں گے تو سونا بنتا چلا جائے گا۔ اسی طرح اخلاق کی درستی بھی والنٹیئرز کور کے افسروں کے مد نظر رہنی چاہئے۔ اگر کوئی گالی دیتا ہے تو تمہارا حق ہے کہ اُسے سزا دو۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو تمہارا حق ہے کہ اسے سزا دو۔ اور اگر کوئی سلسلہ کے نظام کی ہتک کرتا ہے تو تمہارا حق ہے کہ اُسے سزا دو۔ گورنمنٹ کا کوئی قانون گالی کی سزا نہیں دیتا اور نہ گورنمنٹ کا کوئی قانون جھوٹ کی سزا دیتا ہے۔ پس جس برائی کی سزا گورنمنٹ کے قانون میں نہیں، تم اُس کے متعلق سزا دے سکتے ہو۔ لیکن گورنمنٹ کا قانون چوری کی سزا دیتا ہے پس تم کسی کو اُس چوری کی سزا مت دو جس کا مقدمہ سرکاری عدالت میں جانا چاہئے۔ اسی طرح وہ تمام جرائم جن کا گورنمنٹ کے قانون کے مطابق سر کاری عدالت میں لے جانا ضروری ہے ان کے متعلق تم کوئی سزا نہیں دے سکتے۔ ہاں اس کے سِوا سب امور میں کور کے افسر یا سلسلہ کے افسر دخل دے سکتے ہیں اور حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا موجودہ حکومت چونکہ عیسائی ہے اس لئے انجیل کے ہی ایک واقعہ سے میں اِس امر کی وضاحت کر دیتا ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک دفعہ سوال کیا گیا کہ قیصر جزیہ مانگتا ہے ہم اسے دیں یا نہ دیں؟ جس طرح آج ہم کہتے ہیں کہ ہماری بادشاہت روحانی ہے اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی

کہا کرتے تھے کہ میں روحانی بادشاہ ہوں مگر جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی حکومت قیصر کی حکومت کے مقابل میں نہ تھی اور وہ باوجود روحانی بادشاہ ہونے کے دُنیوی بادشاہ کے تابع تھے اسی طرح باوجود اِس کے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے روحانی بادشاہت حاصل ہے ہم بھی حکومت انگریزی کے تابع ہیں اوراس کے احکام کی اطاعت کرنا ضروری جانتے ہیں۔تو حضرت مسیح چونکہ یہ کہا کرتے تھے کہ میں روحانی بادشاہ ہوں اس لئے اُس وقت کے احراری آپ کے متعلق یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ آپ حکومت کے باغی ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اُس زمانہ کے احراری آپ کے پاس آئے اورانہوں نے آپ سے سوال کیا کہ ہم قیصر کو جزیہ دیں یا نہ دیں؟ حضرت مسیح نے کہا وہ قیصر تم سے کیا مانگتا ہے؟ انہوں نے کہا ہم سے سکّہ مانگتا ہے آپ نے فرمایا مجھے سکّہ دکھاؤ۔اس پر کس کی تصویر ہے؟ جب انہوں نے سکہ دکھایا تو اُس پر قیصر کی تصویر تھی۔آپ نے اُسے دیکھ کرفرمایا جو قیصر کا مال ہے وہ قیصر کو دواور جوخدا کا مال ہے وہ خدا کو دو۔اِس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ قیصر کا مال چونکہ سکّہ ہے اس لئے یہ اُسی کا حق ہے۔اوراُسی کو دینا چاہئے ہاں جو خدا تعالیٰ کا حق ہے وہ خدا کو دینا چاہئے۔اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جو حکومت کا حق ہے وہ اُسے دو اور جوتمہارا حق ہے وہ تم لو۔اورحضرت مسیح کی وضاحت کے بعد ایک عیسائی حکومت کو ہمارے اِس فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔غرض حکومت نے چونکہ اپنے قانون میں یہ امر داخل کیا ہے کہ جو شخص چوری کرے گا ہم اُسے سزا دیں گے پس یہ حکومت کا حق ہے۔اوراگرکوئی چوری کرتا ہے تو اُسے سزا کیلئے حکومت کے پاس لے جانا چاہئے۔اوراگرکسی امر کے متعلق حکومت یہ کہتی ہے کہ اسے پولیس کے پاس لے جاؤ تو تم اُسے پولیس کے حوالہ کردو۔مگر پہلے اپنے بزرگوں اور بڑوں سے مشورہ کرلو۔کیونکہ ممکن ہے تم یہ سمجھتے ہو کہ فلاں کیس پولیس کی دست اندازی کے قابل ہے مگر درحقیقت ایسا نہ ہو بلکہ آپس میں مصالحت ہوسکتی ہے پس سلسلہ کے بزرگوں اوران کی معرفت وکلاء سے مشورہ ضروری ہے۔

پس جوحکومت کا حق ہے وہ اُسے دومگر جس چیز کے متعلق حکومت یہ نہیں کہتی کہ وہ اُس کا مال ہے وہ تمہارا مال ہے اُسے لے لو۔اگرکوئی گالی دیتا ہے یا بداخلاقی کرتا ہے یا چغل خوری کی عادت رکھتا ہے یا نظام سلسلہ کی ہتک کرتا ہے اس کے متعلق تمہیں حق حاصل ہے کہ تم سزا دو پس اس دائرہ میں تمہاری حکومت ہے اور بیشک تم دلیری سے اپنا حق لوتمہیں کوئی منع نہیں کرتا اور نہ حکومت تم کو کبھی اِس

بات پر پکڑے گی کہ تم نے کیوں جھوٹ بولنے والے کو سرزنش کی یا غیبت کرنے والے کو سرزنش کی یا سلسلہ کے نظام کی ہتک کرنے والے کی سرزنش کی سوائے اسکے کہ سرزنش خلافِ قانون ہو۔ پس اگر سرزنش خلافِ قانون ہو تو یہ جُرم ہے مثلاً تم یہ نہیں کر سکتے کہ کسی کو جیل خانہ میں بند کر دو یا پھانسی دے دو۔ یہ گورنمنٹ کا حق ہے اور اس قسم کی سزا وہی دے سکتی ہے لیکن اگر کسی جُرم پر تم مجرم کی مرضی سے اُسے بید بھی لگانا چاہو تو لگا سکتے ہو۔ ہاں اگر مرضی نہ ہو تو پھر بید لگانے کا تمہیں حق حاصل نہیں۔ اور اگر لگاؤ تو یہ قانونی جُرم ہوگا لیکن اگر ایک شخص کہتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اور میں اب جُرم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں تو اُسے اِس قسم کی سزا دی جاسکتی ہے مگر ایسی سزا جس سے بدنی نقصان ہوتا ہو وہ اسلام میں جائز نہیں۔ مثلاً یہ جائز نہیں کہ کسی کی ناک کاٹ لی جائے خواہ اُسکی مرضی ہی کیوں نہ ہو۔ یا کوئی قصور کرے تو اُس کی اُنگلی کاٹ لی جائے اور جب پکڑا جائے تو کہہ دے کہ میں نے اُسکی مرضی سے اُنگلی کاٹی تھی۔ اُسے نہ گورنمنٹ جائز سمجھے گی اور نہ مَیں، غرض قانون کے اندر رہتے ہوئے تم قصور پر دوسروں کو سزا دو اور دوسروں کو بھی چاہئے کہ وہ سزا کو خوشی سے برداشت کریں۔ جو شخص جُرم کرتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ سزا کے بغیر اُسے معاف کر دیا جائے وہ بہت بڑا بداخلاق ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ سزا سے معافی طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یا اُس کے قائم کردہ افسروں سے معافی طلب نہیں کرتا۔ اگر اُسے اللہ تعالیٰ سے یا اس کے خلفاء سے معافی طلب کرنی ہوتی تو وہ کہہ دیتا کہ آپ مجھے بیشک سزا دے لیں مگر مجھ سے ناراض نہ ہوں لیکن یہ ایسا نہیں کرتا بلکہ سزا سے بچنا چاہتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ سزا سے ڈرتا ہے۔ یہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں مجھے بید نہ لگیں اس بات سے نہیں ڈرتا کہ خدا تعالیٰ یا اُسکے سلسلہ کی ناراضگی کا مَیں مورد بن گیا ہوں۔ حالانکہ مؤمن کا طریق یہ ہوتا ہے کہ اگر اُس سے غلطی ہو جائے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے سزا دے لو لیکن مجھ سے ناراض مت ہو اور جو ایسا نہیں کہتا اُسکے ایمان میں نقص ہے۔ لیکن یہ بھی غلطی ہے کہ سمجھ لیا جائے معافی کے بعد سزا نہیں ملنی۔ یہ تمہارے باپ، تمہارے خلیفہ، تمہاری پنچائت، تمہارے قومی لیڈروں اور تمہارے افسروں کا کام ہے کہ وہ معافی کے ساتھ ہی سزا بھی معاف کر دیں لیکن معافی میں سزا کی معافی شامل نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ علیحدہ چیز ہے۔

پس ایک تو نیشنل لیگ کی والینٹیئرز کور کو میں یہ ہدایت دینی چاہتا ہوں کہ تم استقلال سے کام

کرو اگر تم اچھی طرح کام کرو تو اپنے اخلاق میں ایک عظیم الشان اصلاح کر سکتے اور اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کر سکتے ہو جو تمہاری ترقیات میں نمایاں اضافہ کا موجب ہو جائے۔ بہت لوگ سلسلہ کے دفاتر میں آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے اوقات میں سے اتنا وقت سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا ہے لیکن تم اپنے دل میں سوچ کر دیکھ لو کہ تم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے یہ وعدہ کیا اور پھر اسے پورا کیا۔ اگر اس نے روزانہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کئے تھے تو کیا وہ سالہا سال روزانہ ایک دو گھنٹے خرچ کر کے سلسلہ کی خدمت کرتا رہا یا دو چار دن وقت دیا اور پھر کبھی خیال بھی نہ آیا کہ میں نے سلسلہ کے لئے کوئی وقت دیا تھا۔ اگر تم اپنے نفسوں پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ تم میں سے اکثر نے وعدے کئے مگر پھر ان وعدوں کو توڑ ڈالا۔ لیکن اگر استقلال سے تم کام کرنے کے عادی ہوتے تو آج میں یہ نہ کہتا کہ تم اگر اپنے دلوں کو ٹٹولو تو اپنے آپ میں سے اکثر کو وعدہ خلاف پاؤ گے بلکہ میں یہ کہنے کی جرأت ہی نہ کرتا اور اگر کرتا تو تم میں سے اکثر کہہ سکتے کہ ہمارے متعلق یہ خیال صحیح نہیں۔ اگر ہم نے ایک گھنٹہ روزانہ خدمتِ سلسلہ کے لئے وقف کیا تھا تو ہمارا خدا بھی گواہ ہے اور لوگ بھی کہ پھر ہم نے اِس گھنٹے کو کبھی اپنے کام کے لئے استعمال نہیں کیا۔ لیکن ایسا جواب دینے والے تم میں سے بہت کم نکلیں گے۔ اِس کی وجہ ایمان کی کمی نہیں، ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمہارے دلوں میں موجود ہے اور نہ صرف ایمان بلکہ راسخ اور مضبوط ایمان اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشا ہے صرف تمہاری تربیت کا جو حصہ ہے یہ اس کی کمی کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص میں کتنا ہی ایمان ہو لیکن اگر اُسے پریڈ کے لئے کھڑا کر دو گے تو وہ قدم نہیں ملا سکے گا کیونکہ قدم برابر کرنا اَور رنگ کی تربیت چاہتا ہے ایمان کا اس کے ساتھ تعلق نہیں۔ جب بھی جنازہ پڑھانے کا موقع ہو یہ نظارہ دیکھنے کا موقع ملتا ہے کہ جب لوگ کھڑے ہوتے ہیں تو صفیں تک سیدھی نہیں بنا سکتے۔ اور اگر کہا جائے آگے ہو جاؤ تو گز بھر آگے ہو جائیں گے پھر کہا جائے کہ پیچھے ہو جاؤ تو دو گز پیچھے ہو جائیں گے اور اُنہیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ سخت گھبرائے ہوئے ہیں۔ میرے ادب کی وجہ سے صفیں درست کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر بجائے صفیں درست کرنے کے انہیں اور زیادہ خراب کر دیتے ہیں تو جو تربیت کی باتیں ہیں وہ تربیت سے ہی آ سکتی ہیں اس کے بغیر نہیں آ سکتیں پس ایک تو میری یہ نصیحت ہے۔

دوسری نصیحت میں یہ کرنی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جس وقت کسی کو نیکی کا کوئی موقع دے اُس

وقت اُسے ضائع کر دینا بہت بڑی بے وقوفی ہوتی ہے۔ اِن دنوں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک موقع دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا بابرکت مہینہ رمضان تمہیں ملا ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اور آپ سے زیادہ سچا اور کون ہوسکتا ہے کہ ہر چیز کی ایک جزا مقرر ہے۔ نمازوں کی بھی جزا مقرر ہے، زکوٰۃ کی جزا مقرر ہے، حج کی بھی جزا مقرر ہے مگر روزے کی کوئی اور چیز جزا نہیں۔ روزے کی جزا میں خود ہوں۔ [۴] پس اگر کوئی شخص سچے دل سے روزہ رکھتا ہے تو یقیناً اُسے خدا مل جاتا ہے اور اگر کسی کو خدا نہیں ملتا تو معلوم ہوا اُس کے روزوں میں کسی قسم کا نقص رہ گیا ہے ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ تم سچا روزہ رکھو اور تمہیں خدا نہ ملے۔ حقیقی روزہ صرف یہی نہیں کہ تم دن بھر کھاؤ پیئو نہیں۔ بلکہ روزہ یہ ہے کہ تم اپنی زبان، اپنی آنکھیں، اپنے کان، اپنے ہاتھ اور اپنے پاؤں سب کو اپنے قبضہ میں رکھو۔ نہ جھوٹ بولو، نہ جھوٹی باتیں سنو، نہ غیبت کرو، نہ غیبت کی باتیں سنو، نہ لڑائی کرو، نہ فساد کی جگہ میں بیٹھو، نہ عیب کرو، نہ عیب کی جستجو کرو۔ غرض پوری طرح اپنی زبانوں، کانوں، ناکوں، ہاتھوں اور پاؤں کو قابو میں رکھو اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو اور اُس سے ایسی محبت کرو کہ دنیا میں تم نے کسی سے ایسی محبت نہ کی ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ غیر عاشق کو نہیں ملا کرتا بلکہ اُسے ہی ملتا ہے جو اُس کے عشق میں گداز ہو۔ بے شک وہ بادشاہ ہے اور انسان ادنیٰ خادم لیکن محبتِ صادق اعلیٰ اور ادنیٰ کے امتیاز کو مٹا دیتی ہے۔ میں نے اپنے ایک شعر میں اِس مضمون کو بیان کیا ہے جو یہ ہے۔

طریقِ عشق میں اے دل سیادت کیا غلامی کیا
محبت خادم و آقا کو اک حلقہ میں لائی ہے

پس جہاں محبت آ جاتی ہے وہاں بڑے اور چھوٹے کا کوئی سوال نہیں رہتا۔ یہ سوال وہیں اُٹھتا ہے جہاں محبت نہ ہو۔ مگر جہاں عشق ہو وہاں سب امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ دُنیوی طور پر بعض لوگ شہنشاہ کہلاتے ہیں لیکن جب کسی غریب گنوارن کی محبت میں مبتلاء ہو جاتے ہیں تو وہ اُسے ملکہ بنا دیتے اور رؤساء و امراء پر حکمران بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرتا اور اُس کے عشق میں اپنے آپ کو کھو دیتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی اُس کے لئے خالق و مخلوق کا فرق اُڑا دیتا اور اُس سے آ کر مل جاتا ہے۔ پس محبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ محبت یہ نہیں کہ تم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگ جاؤ۔ بلکہ محبت یہ ہے کہ تمہاری نماز عشق کی نماز ہو۔ تمہارا قرآن مجید

کی تلاوت کرنا عشق کی تلاوت کرنا ہو اور تمہارا بھوکا رہنا عشق میں بھوکا رہنا ہو۔ تم میں سے بیسیوں نہیں سینکڑوں ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ملا اور انہیں رؤیا اور کشوف اور الہامات ہوئے۔ یہ مقام انہیں اسی لئے حاصل ہؤا کہ وہ عشق سے لبریز دل لے کر خدا کے حضور گئے اور خدا تعالیٰ اُنہیں مل گیا۔ لیکن دوسرے فلسفیانہ رنگ میں جاتے اور ناکام واپس آتے ہیں۔ جہاں فلسفیانہ جذبات ہوں وہاں یہ سوال باقی رہتا ہے کہ خدا تعالیٰ آقا ہے اور بندہ خادم لیکن جہاں محبت کا رنگ غالب آتا ہے وہاں یہ سوال نہیں رہتا کہ کون بڑا ہے اور چھوٹا کون۔ پس خدا تعالیٰ کے سامنے بھی جو فلسفیانہ رنگ میں جائے گا اُس کے لئے امتیازِ مراتب قائم رہے گا لیکن جو عشق کے رنگ میں رنگین ہو کر جائے گا اُسے خدا تعالیٰ خالق و مالک ہونے کے باوجود مل جائے گا۔

مثنوی رومی والے لکھتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے ایک بدوی کو دیکھا۔ وہ جنگل میں اپنی گدڑی اوڑھے بیٹھا جوئیں مارتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن اُس کی آنکھیں عشق سے چمک رہی ہیں اور وہ کہہ رہا ہے۔ اے میرے ربّ! اگر تو مجھے مل جائے تو میں سارا دن تیری جوئیں نکالتا رہوں۔ تیرے پاؤں میں کانٹے چبھ جائیں تو کانٹے نکال دیا کروں، میل چڑھ جائے تو تجھے نہلا دیا کروں، بکری کا تازہ تازہ دودھ پلایا کروں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ باتیں سنیں تو آپ کو غصہ آیا اور آپ نے سوٹا اُٹھا کر اُسے مارا اور کہا یہ کیا نامعقول باتیں کر رہا ہے۔ بھلا خدا کو اِن باتوں سے کیا نسبت ہے۔ وہ افسردہ ہو کر اور چوٹ کی جگہ کو مَل مَلا کر ایک طرف بیٹھ رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھوڑی دُور ہی آگے گئے تھے کہ اُنہیں الہام ہؤا اے موسیٰ! آج تو نے بڑا گناہ کیا۔ ہمارے ایک عاشق کا تو نے دل دُکھا دیا۔ وہ تو جوشِ محبت میں پاگل ہو کر باتیں کر رہا تھا۔ اُس کی یہ نیت تو نہ تھی کہ وہ مجھ سے دُور ہو جائے بلکہ وہ تو میرے قریب آنا چاہتا تھا۔

پس عشق کا رنگ بالکل نرالا ہوتا ہے۔ عشق بعض دفعہ یہاں تک انسان کے رگ و ریشہ میں اثر کر جاتا ہے کہ کمزور دماغ والے پاگل ہو جاتے ہیں۔ مگر جو خدا تعالیٰ کی محبت میں پاگل ہوں خدا تعالیٰ اُن کی بھی لوگوں سے عزت کراتا ہے۔ اور لوگ انہیں یہ نہیں کہتے کہ یہ پاگل ہیں بلکہ کہتے ہیں یہ مجذوب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے عشق کی یہاں تک قدر کی جاتی ہے کہ اُس کی محبت میں پاگل ہو کر بھی لوگ پاگل نہیں کہلاتے بلکہ مجذوب کہلاتے ہیں۔ پس محبتِ الٰہی سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرو۔ رمضان میں

خدا تعالیٰ اِس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ وہ فرماتا ہے اِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَالْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ [۵] جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں اور پوچھیں کہ خدا کہاں ہے جیسے عاشق پوچھتا پھرتا ہے کہ میرا محبوب کہاں ہے تو انہیں کہہ دو کہ میں بالکل پاس ہوں۔

یہاں ایک شخص ایک دفعہ عشق میں پاگل ہو گیا۔ وہ چوہڑہ تھا اور کسی چوہڑی پر عاشق ہو گیا۔ میں نے اُسے دیکھا وہ گلیوں میں مجنونانہ طریق پر پھرتا اور جہاں اُسے کوئی آدمی ملتا وہ آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھا کر نہایت حسرت بھرے لہجے میں کہتا اے ربّا! تو میری محبوبہ مجھے ملا دے۔ وہ جہاں جاتا اُس کی یہی صدا ہوتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عشق اگر انسان کے دل میں پیدا ہو جائے تو پھر قدرتی طور پر وہ سوال کرتا پھرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے۔ پس عباد سے مراد اس جگہ عُشّاقِ الٰہی ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح عاشق ہر جگہ دَوڑا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا معشوق کہاں ہے اسی طرح اِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں کہہ دینا کہ میں قریب ہی ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے عُشّاق کے دل کو توڑنا نہیں چاہتا اور نہ انہیں مایوس کرنا چاہتا ہے۔ تو رمضان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کا ذریعہ بنایا ہے اور ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ اس سے پوری طرح فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے۔ بعض لوگ چھوٹے چھوٹے عذرات پر روزے چھوڑ دیتے ہیں۔ میں انہیں کہتا ہوں وہ ایک اتنی بڑی نعمت ضائع کر رہے ہیں کہ اگر وہ اگلی زندگی میں کروڑوں سال بھی پچھتائیں گے تو یہ نعمت نہیں حاصل ہوگی۔ ہاں جو بیمار ہیں مَیں انہیں بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ باہر لوگوں کے سامنے نہ کھایا کریں اس سے نہ صرف رمضان کی بے حرمتی ہوتی ہے بلکہ بعض لوگوں کو ٹھوکر بھی لگ جاتی ہے۔ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ بظاہر نظر نہیں آتیں لیکن ڈاکٹر جانتا ہے کہ اس بیماری میں روزہ منع ہے۔ مثلاً ضعفِ دل کی بیماری بظاہر نظر نہیں آسکتی اور دیکھنے میں ایک شخص مضبوط اور ہٹّا کٹّا دکھائی دیتا ہے اور آدمی سمجھتا ہے کہ ایسا مضبوط شخص سارے شہر میں کوئی نہیں ہوگا لیکن ضعفِ قلب کی وجہ سے وہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ ایسا آدمی جب بازار میں کھاتا پیتا ہے تو کمزور ایمان والے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ یہاں کے لوگ روزے نہیں رکھتے اور اس طرح انہیں ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ پس جو لوگ شرعی عذر کی بناء پر روزے نہیں رکھ سکتے وہ بھی باہر لوگوں کے سامنے

کھایا پیا نہ کریں۔

غرض دوستوں کو رمضان میں خصوصیت سے عبادت کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنی چاہئیں۔ بِالخصوص یہ دعا مانگنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے حملوں سے ہماری جماعت کو محفوظ رکھے۔ میں بتا چکا ہوں کہ آج کل خصوصیت سے ہمیں یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ [۶] آج چاروں طرف سے دشمن ہم پر حملہ آور ہے۔ اور چاہتا ہے کہ ہمیں مٹا دے اور ہماری طاقتوں کو کچل دے تم ان دشمنوں کے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہیں رکھتے کیونکہ تم کمزور ہو۔ اور دشمن کے ساتھ صرف رعایا کا اکثر حصہ ہے بلکہ حکام کا بھی ایک حصہ ملا ہؤا ہے۔ پس اس کے مقابلہ کی یہی صورت ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے آگے جھکو اور اس سے ان دشمنوں کی ہلاکت کی دعائیں کرو۔ آجکل خدا تمہارے پاس آیا ہؤا ہے۔ تم اُس سے باتیں کر سکتے اور اپنی حاجتیں اُس سے منوا سکتے ہو۔ حدیثوں میں آتا ہے اللہ تعالیٰ روزانہ پچھلی رات سمائے دنیا پر اُترتا اور لوگوں کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ مگر آجکل رمضان کے دن ہیں جن میں خدا تعالیٰ اور زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ پس تم تہجد میں دعائیں کرو اور اتنی شدت اور کثرت سے دعائیں کرو کہ جب عید آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ لے کر آئے کہ تمہارے دشمنوں کو تباہ کر دیا جائے گا اور تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کر دیا جائے گا۔ یہ موقع ہے جس سے تم فائدہ اُٹھا سکتے ہو اور میں نے وقت پر تمہیں بتا دیا ہے۔ پس تم سارے مل جاؤ اور جس طرح پاگل کہتا پھرتا ہے کہ میرا معشوق مجھے مل جائے اسی طرح تم بھی کہو کہ اے خدا! اب ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے جب تک تُو یہ فیصلہ نہ کر دے کہ ہمارے ہاتھ پر اسلام کی فتح ہوگی اور ہمارے دشمنوں کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اور یاد رکھو تمہاری یہ دعائیں بیکار نہیں جائیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو جذب کریں گی اور تمہارے دشمنوں کو ناکام کریں گی۔ اور گو دنیا میں وہ فیصلہ اتنی جلدی ظاہر نہ ہو لیکن آسمان پر یہ فیصلہ ہو کر رہے گا۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ ہمارے ایک احمدی کو احراریوں نے مارا ہے اور وہ اِس وقت بے ہوش پڑا ہے میں نے ڈاکٹر صاحب کو وہاں بھجوا دیا لیکن میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں کہ مار تو کیا چیز ہے اگر احراری تم میں سے کسی کو قتل بھی کر دیں تو تم اپنے جذبات پر قابو رکھو اور کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو خلافِ قانون ہو۔ تم سے وہ بہت زیادہ قیمتی جانیں تھیں جن کے ساتھ مکہ

میں نہایت بُرا سلوک کیا گیا انہیں مارا گیا، انہیں پیٹا گیا، انہیں قتل کیا گیا مگر وہ صبر اور تحمل سے برابر کام کرتے چلے گئے۔ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں عبادت کر رہے تھے کہ کفّار نے آپ کے گلے میں پٹکہ ڈال کر اِس زور سے دبایا کہ آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور بعضوں نے سمجھا کہ شاید آپ اِس تکلیف سے وفات پا جائیں گے۔ اُس وقت تک پردہ کا حکم نہیں اُترا تھا جب رسول کریم ﷺ کو اِس رنگ میں اذیت دی گئی تو آپ کے خاندان کی بعض مستورات باہر آ گئیں اور اُنہوں نے کفّار کو کہا تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم ایک ایسے شخص کو محض خدائے واحد کی عبادت کرنے کے جُرم میں تکلیف دیتے ہو۔[۷] ہم میں سے رسول کریم ﷺ کے برابر کیا آپ کی خاکِ پا کے برابر بھی کون ہے پھر اگر آپ نے ان سب تکلیفوں کو برداشت کیا تو ہم کون ہیں کہ ان تکلیفوں کو برداشت نہ کر سکیں۔ اس برداشت سے تمہارے اندر ایسی قوت پیدا ہو جائے گی جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکے گی۔ جن شرطوں کے ساتھ میں تمہیں صبر کی تعلیم دیتا ہوں ان شرطوں کے ساتھ اگر تم دشمنوں کی اِیذاء رسانیوں پر صبر کرو تو تم میں سے ہر شخص ایسا بم ہوگا جو ساری دنیا کو اُڑا کر رکھ دے گا۔ دیکھو! ہوائی بندوق میں صرف ہوا بھر کر اس سے کام لے لیا جاتا ہے۔ سپین میں ہوائی توپیں بھی بنائی گئی ہیں اسی طرح میں بھی تم میں ہوا بھر رہا ہوں اور تمہاری اس طاقت سے اشاعتِ اسلام میں کام لینا چاہتا ہوں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میرے بتائے ہوئے طریق پر چل کر صبر کے مراحل کو تم طے کر گئے تو ایک دن ایسا آئیگا کہ تم اخلاص وعشق کا ہتھیار لیکر کھڑے ہو جاؤ گے اور ساری دنیا میں ایک آگ لگا دو گے۔ لیکن افسوس کہ ابھی وہ دن نہیں آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ جو جو مظالم تم پر کئے جاتے ہیں وہ تمہارے دلوں میں انگار بن کر جمع ہوتے چلے جائیں۔ لیکن ان کا دُھواں باہر نہ نکلے یہاں تک کہ تم ان انگاروں سے جل کر اندر ہی اندر راکھ ہو کر بھسم ہو جاؤ۔ وہ ویسی ہی بند آگ ہو جیسی دوزخ کی آگ کے متعلق حدیثوں میں آتا ہے کہ وہ بند ہوگی۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ تمہارے اندر ایک آگ ہو جو جہنم کی آگ کی طرح بند ہو کہ جب اسے باہر نکلنے کا اِذن ملے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہنم کی آگ میں سے اگر ایک رائی کے برابر آگ بھی ساری دنیا پر ڈالی جائے تو دنیا جل کر راکھ ہو جائے۔ میری کوشش یہ ہے کہ میں وہ جہنم کی آگ تمہارے اندر پیدا کروں جو پہاڑوں کے برابر ہو۔ اگر جہنم کی رائی بھر آگ ساری دنیا کو جلانے کے

لئے کافی ہے تو جو آگ میں تمہارے دلوں میں پیدا کرنی چاہتا ہوں اگر پیدا ہو جائے تو ایک دنیا نہیں ، ہزاروں دنیاؤں کو تم جلانے کے قابل ہو جاؤ۔ مگر جو آگ کھلی ہوتی ہے وہ آپ ہی آپ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

پس یہ مت سمجھو کہ میں تمہیں بزدل بنا رہا ہوں میں تمہارے اندر وہ آگ پیدا کر رہا ہوں جو کُفر و شرک کو جلا کر راکھ کر دے اور اسلام کو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کر دے۔ پس کوئی تم میں سے باہر جا کر اِس قسم کے واقعات کو سن کر جوش میں نہ آئے اور اگر جوش آئے تو اُسے دبائے اور کہے کہ میں بھی کفر و شرک کو دنیا سے مٹا کر دم لوں گا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ تم سے آدمی لڑائی کرتے ہیں یہ آدمی نہیں لڑتے بلکہ شیطان لڑتا ہے۔ وہ تو آخر ہمارے بھائی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ لڑائی لڑتے پھرتے ہیں۔ اِسی لئے کہ شیطان انہیں اُکساتا ہے۔ پس شیطان سے تمہارا مقابلہ ہے اور شیطان کو تم لٹھ مار کر ہلاک نہیں کر سکتے۔ تم آدمی کو لٹھ مار سکتے ہو لیکن شیطان کو لٹھ نہیں مار سکتے۔ اسے تو وہ دعائیں ہلاک کریں گی جو تم راتوں کو اُٹھ کر کرو گے اور اسے وہ تبلیغ ہلاک کرے گی جو تم دن کے وقت کرو گے۔ بے شک تم میں سے کئی لوگوں کے دلوں میں یہ جوش اُٹھتا ہو گا کہ آؤ ہم مر جائیں۔ مگر میں کہتا ہوں تم اگر مرنا چاہتے ہو تو جاؤ اور دنیا کے اُن گوشوں میں مرو جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام نہیں پہنچا۔ جاؤ اور دنیا کے اُن گوشوں میں مرو جہاں محمد ﷺ کا نام نہیں پہنچا۔ جاؤ اور دنیا کے اُن گوشوں میں مرو جہاں ابھی خدا کا نام بھی نہیں پہنچا۔ ہمارے چین کے مبلّغ نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ چین میں کوئی خدا تعالیٰ کا نام نہیں جانتا اور نہ اُس کی صفات کا کسی کو پتہ ہے۔ پس یہاں مرنے سے کیا فائدہ ہے۔ تم یہاں مر جاؤ گے تو وہ ملک خالی رہ جائیں گے جہاں ابھی خدا تعالیٰ کا نام تک نہیں پہنچا۔ تم یہاں مر جاؤ گے تو وہ ملک خالی رہ جائیں گے جہاں ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تک نہیں پہنچا۔ تم یہاں مر جاؤ گے تو وہ ملک خالی رہ جائیں گے جہاں ابھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام نہیں پہنچا۔ پس اگر مرنے کی ہمت ہے تو جاؤ اور اُن علاقوں میں مرو جہاں خدا اور اُس کے رسولوں کا نام کوئی نہیں جانتا۔ وہاں اگر ایک دفعہ بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر تم خدا تعالیٰ کا نام پہنچا دیتے ہو، ایک دفعہ بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ کر رسول کریم ﷺ کا نام پہنچا دیتے ہو، ایک دفعہ بھی احمدیت کا ذکر کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام پہنچا دیتے ہو اور پھر وہیں مر جاتے ہو تو سمجھا جا

سکتا ہے کہ تم نے دنیا میں آ کر کوئی کام کیا۔ دیکھو! تنور میں پڑی ہوئی لکڑیاں روٹیاں پکاتی ہیں لیکن جلتا ہوا گھر کسی کے کام نہیں آتا بلکہ وہ انسانوں اور اُن کے اموال کو تباہ کر دیتا ہے۔ اگر کوئی جلنے والی لکڑی بننے کے لئے تیار ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ تنور کی لکڑی بنے جو جل کر دنیا کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ پس میں نوجوانوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لئے وقف کریں اور غیر ملکوں میں تبلیغِ اسلام کے لئے نکل جائیں اور وہ روح پیدا کریں جو قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں میں تھی۔ تب میں سمجھوں گا کہ تم اپنے دعووں میں سچے ہو۔

ایک بزرگ کے متعلق جو ایران یا افغانستان کے تھے تاریخوں میں ذکر آتا ہے کہ ایک دفعہ ان سے ان کے غالباً ایک سَو ساٹھ مُرید ملنے آئے اور ملاقات کے بعد عرض کیا کہ ہمیں کوئی کام بتایا جائے۔ انہوں نے فرمایا ابھی میرے پاس ایک شخص ذکر کر رہا تھا کہ ہندوستان میں اسلام کا کہیں نام نہیں۔ اِکّا دُکّا کوئی مسلمان مل جائے تو مل جائے ورنہ عام طور پر لوگ اسلام سے سخت ناواقف ہیں۔ اگر تم کام کرنا چاہتے ہو تو ہندوستان میں چلے جاؤ اور تبلیغ کرو۔ وہ ایک سَو ساٹھ کا ایک سَو ساٹھ اُسی وقت بغیر اِس کے کہ گھر واپس جاتے اور اپنی بیوی بچوں سے ملتے سلام کر کے ہندوستان روانہ ہو گئے اور تبلیغ میں اپنی عمر بسر کر دی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام پھیلایا اور اِسی قِسم کے لوگ ہیں جو اَب احمدیت کو پھیلائیں گے۔ تنخواہ دار مبلّغ احمدیت کو نہیں پھیلا سکتے۔ وہ تو ایسے ہی ہیں جیسے کوئی نگران انسپکٹر ہو۔ پس جس دن وہ روح تمہارے اندر پیدا ہوگئی جو مَیں پیدا کرنی چاہتا ہوں۔ اُس دن نہ کوئی طاقت تمہیں مار سکتی ہے اور نہ کوئی قوم تمہارے ارادوں میں مزاحم ہوسکتی ہے۔ تب تم ہی تم دنیا کے بادشاہ ہوگے۔ حکومتیں تمہاری ہوں گی، تجارتیں تمہاری ہوں گی، زراعتیں تمہاری ہوں گی اور تم اسی طرح دنیا پر حاوی ہوگے جس طرح آسمان زمین پر حاوی ہے۔ یاد رکھو مؤمن کا دل خدا تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ [9] اللہ تعالیٰ کی کرسی نے زمین و آسمان کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی کرسی زمین و آسمان پر احاطہ کئے ہوئے ہے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ عرش کی کس قدر وُسعت ہوگی۔ پس اگر واقعہ میں مؤمن کا دل خدا تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے تو جب تم سچے مؤمن بن جاؤ گے یقیناً ساری دنیا اُسی طرح تمہاری مٹھی میں

ہوگی جس طرح وہ خدا تعالیٰ کی مٹھی میں ہے کیونکہ اُس وقت تم خدا کے ہوگے اور خدا تمہارا۔

(الفضل ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۵ء)

---

۱ الٰ عمرٰن: ۸۰

۲ معالم التنزیل جلد ۱ الجزء الثالث صفحه ۳۲۱۔ تفسیر آیت کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖن (الٰ عمرٰن: ۷۹)

۳ القیٰمة: ۱۶

۴ بخاری کتاب الصوم باب هَلْ یَقُوْلُ اِنِّی صَائِمٌ اِذَا شُتِمَ

۵ البقرة: ۱۸۷

۶ ابوداؤد کتاب الوتر باب مَا یقول الرَّجل اِذَا خَافَ قَوْمًا

۷ بخاری کتاب فضائل اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا

۸ البقرة: ۲۵۶